

ریٹائرمنٹ کے بعد، لوگ اتنے مذہبی کیوں ہو جاتے ہیں؟

ڈیڑھ برس پہلے، ایک قربی دوست اور نجی میٹ کی بیٹی کی شادی پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جانا آزاد ضروری تھا۔ ورنہ دل سماجی محفلوں سے یکسر اکتا چکا ہوں۔ دوستی اتنی گہری تھی اور ہے کہ کوئی بہانہ کرنا بے سود تھا۔ شادی ہال میں وہی روایتی رونق اور یکسانیت۔ کیونکہ سرکاری افسر کی لخت جگر کی شادی تھی۔ اسیلے گورنمنٹ ملازموں کی بھرماڑتھی۔ ویسے وہاں چند اپنہائی سینئر سرکاری افسران بلکہ اساتذہ ایسے بھی تھے، جنہوں نے میل جول یعنی پی آر میں پی انج ڈی کر رکھی تھی۔ ایسے ہی ایک افسر جو مسلسل مصنوعی طور پر مسکراتے رہتے ہیں، قریب آ کر فخر یہ انداز سے کہنے لگے کہ آج انہوں نے تین شادیاں بھگلتائی ہیں۔ ذہن میں خیال آیا کہ شادی کی تقریب میں تواصل تو وہ دعا ہے جو دوست، احباب اور رشتہ دار ایک نئے خاندان کی بنیاد کو بہتر اور خوشنگوار بنانے کیلئے دل سے کرتے ہیں۔ شادیاں کبھی بھگلتائی نہیں جاتیں۔ موصوف بہر حال فخر یہ طور پر مسرتھے کہ آج تین سماجی تقریبات میں گئے تھے۔ دراصل اپنا سیاسی اور سماجی وزن بتانا چاہ رہے تھے۔ مجھے اس میں کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لہذا اکتا کراچی پرانے دوست کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں چار پرانے افسران اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے ایک ایسے صاحب بھی تھے جو محفل ناؤنوش اور علیینی قبا کیلئے چوتیس برس سے حد درجہ مشہور ہے تھے۔ بالتوں بالتوں میں کہنے لگے کہ آج کل اعراب کے ساتھ عربی زبان سیکھ رہا ہوں۔ زیادہ وقت مسجد میں گزرتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث پر جامع تحقیق کر رہے ہیں۔ خوشنگوار حیرت ہوئی۔ کیونکہ انکی عملی زندگی تو بہر حال دینی اصولوں سے یکسر متفاوت ہے۔ بہر حال خدا جب بھی توفیق دے دے۔ یہ اسکی مرضی ہے۔ تفصیل سے بیان کرنے لگے کہ انہوں نے زندگی میں ہر بڑے سے بڑا عہدہ تسلسل سے قابو میں رکھا ہے۔ دوسال پہلے ریٹائر ہوئے تو پاکستان کے سب سے مضبوط بیورو کریٹ شمار ہوتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے دوچار مہینوں بعد محسوس کیا کہ اب لوگ انہیں بہت کم ملتے ہیں۔ سارا سارا دن، ٹیلیفون کی گھنٹی نہیں بجتی۔ اب وقت ہی وقت تھا۔ صبح کے سات بجے اور شام کے سات بجے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سارا دن ٹی وی دیکھ دیکھ کر آنکھیں دکھنے لگی تھیں۔ اتنا زیادہ وقت کیسے گزارہ جائے، سمجھ نہیں آتی تھی۔ چنانچہ زندگی میں جو کام نہیں کیا تھا، وہ کرنا شروع کر دیا۔ عربی زبان اور مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انکی باقی سنکریم برے دل میں کسی قسم کے کوئی جذبات نہیں اُبھرے۔ اسیلے کونکری کے دوران انکا طرزِ عمل اس قدر عجیب و غریب تھا کہ گزارش کرنا کافی مشکل ہے۔ عام لوگوں سے بد تمیزی اور دیگر تمام آلاتیں شامل تھیں۔ بہر حال میں خود ایک گناہ گار آدمی ہوں۔ کسی کے متعلق کیا بات کروں گا۔ مگر سوال صرف ایک تھا۔ ہمارا مذہب تو ایک طاق تو را نقلابی فلسفہ ہے۔ یہ تو انسان کی عملی زندگی کو حد درجہ ثابت بنادیتا ہے۔ یہ تو ہے ہی اچھی نیت سے خلق خدا کی خدمت کا نام۔ جب یہ صاحب سرکاری نوکری کے عروج پر تھے تو انہوں نے کبھی کمزور طبقے سے یا گانگت کا عملی اظہار نہیں کیا تھا۔ کبھی رحم دلی سے کام کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر واقعی مذہب پر عمل کرنا تھا تو عملی زندگی میں اس کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔ ریٹائرمنٹ کے دوسالوں بعد مکمل تھائی کے عذاب سے ڈر کریدم ڈگر تبدیل کرنا کیا واقعی انسانی کردار کی بلندی ہے یا معذرت کے ساتھ، وقت گزارنے کا ایک اچھا طریقہ۔ ان معاملات پر چتمی بات کرنی آزاد مشکل

ہے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ ریٹائر ہونے کے بعد، سرکاری یا غیر سرکاری لوگوں کی واضح ترین اکثریت مذہب کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ یہ ایک آزاد عموی سارویہ ہے اور اکثر، اس پر غور نہیں کیا جاتا۔ اس تبدیلی پر سنجیدہ بحث بھی نہیں ہوتی۔ یہ رویہ، صرف ریٹائرمنٹ کے بعد وجود میں کیوں اور کیسے آتا ہے۔ اصل سوال یہی ہے۔ اسکا جواب تلاش کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ مگر بہر حال کوشش کی جاسکتی ہے۔ بالکل اسی طرح کا ایک سچا واقعہ آپکے سامنے رکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میرے ایک واقف پولیس افسر تقریباً پانچ سال نوکری کرنے کے بعد چار برس پہلے ریٹائر ہوئے ہیں۔ دورانِ سروں، اتنا کروفر تھا کہ عام انسان کو حیوان گردانتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بھی فیصلہ، عوضانہ لیے بغیر نہیں کیا۔ کسی مسکین کافون سننا بھی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ کسی بیچ میٹ کافون آجائے اور انہیں احساس ہو جائے کہ وہ کوئی کام کہہ دیگا، تو ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ بہت زیادہ جانتا ہوں۔ مگر لکھنا نہیں چاہتا۔ خیر میرے سے انکی معمولی سی یادِ اللہ ضرور تھی۔ زندگی میں کبھی ان سے واسطہ نہیں پڑا۔ دوسال پہلے ملاقات ہوئی تو خاصے بدلتے ہوئے تھے۔ فرمائے گئے کہ ایک نئے زاویے سے دین کی تشریع کا کام کر رہے ہیں۔ مجھے حیرت اسلیے ہوئی کہ ہمارے عظیم دین کی ہر طرح کی تشریع تو مذہبی اکابرین فرمائچے ہیں۔ انکی دینی تعلیم بھی بس واجبی سی ہے۔ پھر یہ صاحب نئی جہت پر کیا فرمائیں گے۔ خود ہی کہنے لگے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد، اتنا زیادہ وقت تھا اور کسی طرح گزرتا نہیں تھا۔ سوچا کہ چلو، دین کو ہی پڑھ لیتے ہیں۔ پھر خیال کہ اسکی نئی طرز کی تشریع کیوں نہ کی جائے۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ہمارا عظیم دین، کیا واقعی فارغ وقت میں سکھنے کیلئے اُتارا گیا ہے؟ نہیں صاحب نہیں۔ اسلام اتنا عظیم دین ہے جو عملی زندگی کو حیرت انگیز طریقے سے ترتیب دیتا ہے۔ آپ کو انصاف، عدل، حقوق العباد کے معنی سمجھاتا ہے۔ یہ تو انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اسکو ریٹائرمنٹ کے بعد، وقت گزارنے کیلئے سمجھنا عجیب سی بات ہے۔ مزاوت ہے جب انسان، اختیارات کے عروج پر ہوا اور پھر دنیا کے عظیم ترین انسان، محمد عربی ﷺ کی ہر وقت تابعداری کرے۔ قرآن حکیم کے اصولوں کو دل سے لگا کر رکھے اور عملی عروج میں ان انقلابی اصولوں کو لوگوں کے مسائل حل کرنے کیلئے استعمال کرے۔ مگر اس ریٹائرڈ پولیس افسر کی بات سنکر میں خاموشی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ مکمل طور پر خاموش ہو گیا۔ کیا بات کرتا۔

ہمارے سماج میں ایک شناساہجی رویہ سامنے آیا ہے۔ جیسے ہی انسان سرکاری یا غیر سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوتا ہے، تو اسے سمجھ نہیں آتا کہ وہ مصنوعی شان و شوکت کدھر گئی؟ لوگوں کا وہ ہجوم جو ہر وقت اردو گرد منڈلاتا رہتا تھا، کدھر غائب ہو گیا۔ وہ تمام درباری، جو ہر وقت قصیدہ گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ یکسر ہوا میں کیسے تخلیل ہو گئے۔ اور ہاں، قابلیت، محنت کا جو پھٹا ہوا ڈھوں پیٹا جاتا تھا، وہ نظرؤں سے کیونکراو جھل ہو گیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد، اکثر بڑے عہدوں پر رہنے والے اشخاص، یک دم گھبرا جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو برداشہ محسوس کرتے ہیں۔ اکثر عدم توجہ کی بدولت، عضو معلم بن جاتے ہیں۔ نہ کوئی ملنے والا اور نہ کوئی درباری۔ اب کیا کیا جائے۔ دھیان فوری طور پر مذہب کی طرف چلا جاتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ انکی عملی زندگی میں دین کی چھاپ بالکل نظر نہیں آتی۔ بلکہ متضاد رویہ اکثر دیکھنے کو ضرور ملتا ہے۔ طالب علم نے جو دو سچے واقعات اوپر عرض کیے ہیں۔ ان ہی سے متصل ایک اور رواد بھی سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ جب میڈیا کل کالج میں تھا، تو پنجاب یونیورسٹی میں، فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے دوستوں سے ملنا جاننا گارہتا تھا۔ انہیں

میں سے ایک نئے سٹوڈنٹ سے دوستی ہو گئی۔ شاہد تعلق رحیم یارخان سے تھا۔ اب اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ بانگا بھیلانو جوان۔ پاکستان کی ایک سرکاری صنعتی کمپنی میں نوکری لگ گئی۔ شادی بھی اچھی جگہ طے پائی۔ ویسے آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ شادی کیلئے اچھی جگہ کیا ہوتی ہے۔ یہ تو صرف اور صرف مقدروں کا کھیل ہے۔ جس میں ارب پتی، کئی بارز میں بوس ہو جاتے ہیں اور زمین کے تنکے نظر آنے والے لوگ، دولت کے مضبوط درختوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ ویسے زندگی بھی محنت کے بعد صرف اور صرف مقدار کی بساط ہے۔ کچھ پتہ نہیں۔ اگلے لمحے اس ملک میں آپکے ساتھ کیا ہو جائے۔ بہر حال میری ملاقات اپنے اس واجبی دوست سے کم ہو گئی۔ باہمی لوگ بتاتے تھے کہ وہ گرمیوں کی چھپیوں میں لندن جاتا رہتا ہے۔ اکثر سرکاری دوروں پر بھی غیر ممالک میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ خیر، کیونکہ تعلق بالکل سرسری سطح کا تھا۔ اسلیے کبھی ذہن میں ملاقات کا خیال بھی نہیں آیا۔ خیر تین مہینے پہلے ایک کھانے پر گپ شپ ہو رہی تھی کہ ایک بالکل سفید داڑھی والے بزرگ تشریف لائے۔ ہاتھ میں تسبیح تھی اور سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی۔ گمان ہوا کہ میزبان کے والد صاحب نہیں۔ مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی موصوف نے نعرہ مارا اور بغلگیر ہو گئے۔ گھبرا کر پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ جواب سناتو طبیعت ماوف ہو گئی۔ یہ میرے وہی پرانے شناسا تھے جو حد درجہ رنگین زندگی گزار رہے تھے۔ بتانے لگے کہ ریٹائرمنٹ ہوئے دو برس ہوئے ہیں۔ بس اب اللہ اللہ کرنے کے دن ہیں۔

گزارش کرنے کا مقصد از حد سادہ ہے۔ ہمارا دین عمل کا دوسرا نام ہے۔ اس خوبصورت حصار میں ایک ایک پل، صرف اور صرف عملی زندگی کو ترتیب دیتا ہے۔ مگر یہ سماجی روایہ، کعملی زندگی توہر لمحے، رنگین گزاری۔ لوگوں کیلئے تیس پنٹیں برس عذاب بنے رہے۔ پھر یک دم ریٹائرمنٹ کے بعد، خدا یاد آگیا؟ صاحبان! خدا توہر وقت، ہر دم شاہ رگ سے بھی نزدیک رہتا ہے۔ یہ کیا رویہ ہوا، کہ پوری زندگی تو دین کے انقلابی اصولوں کی پرواہ نہیں کی۔ مگر ریٹائرمنٹ کے بعد، یک دم، مذهب کا نام لینا شروع کر دیا۔ پورے معاشرے سے سوال ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد، اکثر لوگ یک دم اتنے مذہبی کیوں ہو جاتے ہیں؟

راوِ منظر حیات